معرفت الٰہی: سب سے بڑی سعادت

ڈاکٹر حافظ کرناٹکی

خدا کو یاد کرنا اور کرتے رہنا ہر اہل ایمان کا فریضہ ہے، وہ بھلا کیا اور کیسا مومن ہوگا جو خدا کو بھول جائے۔ خدا کو یاد کرنے کے یوں تو بہت سے طریقے ہیں، مگر ان میں سب سے افضل طریقہ نماز ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پانچ وقت پابندی سے نماز ادا کرنے کے بعد انسان اپنے رب کو بھول جائے۔ کیوں کہ مومن کے دل کی ہر دھڑکن میں خدا بستا ہے، اس کی تمام حرکات سے خدا کی یاد کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہو پاتا ہے جب بندہ خدا کی معرفت کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ یہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کی معرفت کی جستجو کرے کیوں کہ ہر انسان کی سعادت اور نیک بختی کا دارومدار خدا کی معرفت پر منحصر ہے۔ سچ پوچھیے تو آدمی کی سعادت کا ذریعہ خدا کی معرفت اور بندگی ہے اور عبادت و پرہیزگاری ہے اور یہ بات کہ انسان کی کامیابی اور سعادت بندگی میں ہے اس کا سمجھنا مشکل نہیں ہے کیوں کہ کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور اقرار کرنا ایک طرح کا عہد نامہ ہے۔ جبکہ سورہ فاتحہ اس عہد نامہ کی توثیق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ قرآن کریم کی ایک اہم ترین سورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عہد نامہ اور ایک نہایت مؤثر دعا بھی ہے۔ اس سورت کی اہمیت یہ ہے کہ اسے پڑھے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی ہے۔ اس سورت میں حکمت و دانائی کا درس بھرا ہوا ہے۔ احکام خداوندی اور معرفت خداوندی کا یہ ایک نایاب گلدستہ ہے۔ اس کو اچھے سے سمجھ لینے کے بعد خدا کی معرفت حاصل کرنے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ وسیع معانی اور دقیق حقائق کو اجاگر کرتا ہے۔ دنیا جہان اور موجودات و مظاہر اور جو کچھ نظر نہیں آتا ہے کو پیدا کرنے والے اصل مالک کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ خالق اور مخلوق کے رشتے کو مضبوط بناتا ہے۔ اور یہ بھی بتاتا ہے کہ کون لوگ ناکام و نامراد ہیں اور کون لوگ کامیاب ہیں۔ دراصل اس سورت میں اس معاہدے پر کاربند ہونے کا انسان وعدہ کرتا ہے؛ ’’اے ہمارے پیدا کرنے والے ہمارے رب، روز جزا وسزا کے مالک ہم صرف اور صرف تیری ہی بندگی کریں گے، اور صرف تجھ ہی سے مانگیں گے، ایسی بندگی جو صرف چند فرائض تک محدود نہ ہو، ایسی بندگی جو ایمان کی روح سے خالی نہ ہو، ایسی بندگی جو بوجھ نہ معلوم ہو، ایسی بندگی جس سے دل بیزار نہ ہو، ایسی بندگی جو خالص ہو، ایسی بندگی جو ضرورت اور مفاد کے ساتھ نہ بدلتی ہو، بلکہ ایسی بندگی جو دل کا سکون ہو، ایسی پاکیزہ بندگی ایسی مخلصانہ بندگی جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، دل کا سرور ہو، ایسی بندگی جس سے روح کو تازگی ملے، ذہن کو فرحت اور شادمانی کا احساس ہو، ایسی بندگی جس سے فکر کو روشنی اور سوچ کو پاکیزگی حاصل ہو، ایسی بندگی جو دنیا اور دنیا کے تمام سہاروں سے بے نیاز کر دے، ایسی بندگی جو اپنے خالق حقیقی، مالک حقیقی سے جوڑ دے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی کا بنا کر رکھ دے۔ اس کے نام سے صبح ہو، اور اسی کے ذکر سے شب ہو، تنہائی میں قربت اور تیری موجودگی کا احساس دلائے اور بھیڑ میں یادوں سے غافل نہ ہونے دے، جب رنج و غم نڈھال کر دے تب بھی تیری محبت دل میں موجزن رہے۔ جب سخت سے سخت ترین مصیبت کا سامنا ہو تو تیری محبت اور بندگی کا چراغ روشن نظر آئے۔ اور جب کامیابی اور خوشی میسر آئے تو تیرے شکر کے جذبے سے دل معمور ہو جائے۔ آنکھیں روشن ہو جائیں، جب کسی سے کوئی معاملات کرنے کی ضرورت ہو، جب کچھ لین دین کرنے کی نوبت آئے جب کسی سے سلوک اور برتاؤ کرنا ہو تو پیش نظر صرف اور صرف تیری خوشنودی ہو۔ کاروبار زندگی کے ہر موڑ پر، ہر موقع پر، شادی ہو یا غم تیری رضا پیش نظر ہو، معاشرت کے مسائل ہوں کہ سیاست، اور سماج کے مسائل تیری ناراضگی سے بچنے اور بچ کر رہنے کی آرزو شدید سے شدید تر ہو۔ اس دنیا میں اس روئے زمین پر ایسے انسانوں اور حد یہ کہ مسلمانوں کی بھی کمی نہیں ہے جو یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ میں اپنے تمام اختیارات کا میں خود ہی مالک ہوں۔ یہ زندگی میری ہے، میں اسے جیسے چاہوں گزار سکتا ہوں، جو من چاہے کھا پی سکتا ہوں، پہن اوڑھ سکتا ہوں، اپنے من کی خوشی کے لیے جو طریقہ چاہے اختیار کر سکتا ہوں، کسی کو مجھے روکنے، ٹوکنے اور منع کرنے کا حق نہیں ہے در اصل یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی معرفت سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ اس کی معرفت کی سعادت سے محروم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ انسان ہوتے ہوئے اور عقل و شعور رکھتے ہوئے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ وہ اپنے عادات و اطوار میں اتنے پختہ ہو جاتے ہیں کہ انہیں اسی طرح کے کاموں میں لطف آنے لگتا ہے۔ پھر دنیا کی چمک دمک اسے اس طرح اندھا کر دیتی ہے کہ اسے اللہ کے بتائے کسی طریقے میں لطف نہیں آتا ہے۔ دین حق کے بتائے کسی راستے پر چلنے میں مزہ نہیں آتا ہے۔ اور وہ پوری طرح اس کائنات کے خالق کو بھول جاتے ہیں۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ دنیا کے سائنسداں کوئی ادنیٰ سی چیز بناتے ہیں تو لوگ اس کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن خود وہ جس کا ایجاد کردہ ہے، جس کا پیدا کردہ ہے اس پر اس کو ایمان لانے میں اسے یاد کرنے میں وہ سستی برتتا ہے۔ اسے بھلا دیتا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو زمین کے چکر، ستاروں کی چال، ستاروں کے درمیان کے فاصلے کا علم رکھتے ہیں، سورج زمین سے کتنا دور ہے جانتے ہیں اور اسے ثابت بھی کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ خود اپنے رب سے کتنے دور ہو چکے ہیں۔ اس کے احکامات سے کس قدر ناآشنا ہو چکے ہیں۔ مگر جو لوگ ایمان کے متوالے ہیں، اللہ کی معرفت سے آگاہ ہیں وہ اس کی ایک ایک آیت پر پکار اٹھتے ہیں کہ بے شک اللہ ہی میرا رب ہے۔ جب ایک مومن بندہ اس کائنات کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے خالق و مالک کو پہچان لیتا ہے اور اس پر کامل ایمان لے آتا ہے تو خوشی کے مارے بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔ تمام تعریفیں صرف اور صرف اللہ رب العزت کے لیے ہے۔ جو سارے جہان کا خالق و مالک ہے۔ میں اس رب کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے انسان بنایا۔ عقل و شعور کی دولت بخشی، ایمان جیسی نعمت سے سرفراز کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ: ’’اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔‘‘ (البقرہ ۲۵۷)

اور فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے: ’’سو جو لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔‘‘ (الاعراف ۱۵۷)

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح فرمایا ہے کہ: ’’اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے فرض کرو ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ ہے اور وہ چراغ ایک قندیل میں ہے اور وہ قندیل طاق میں رکھا ہے اور وہ قندیل ایسا صاف شفاف ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو، اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون کا درخت ہے۔ جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھّم رخ ہے۔ اس کا تیل اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تا ہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بہ خود جل اٹھے گا اور جب آگ بھی لگ گئی تو نورٌ علیٰ نور ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس نور تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘ (النور ۳۵) اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے آگاہ کرنے کیلئے بندوں کو کئی طرح سے سمجھایا تا کہ وہ راہ راست پر آ جائے اور گمراہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ چوں کہ نہایت رحم کرنے والا اور بے انتہا مہربان ہے اس لیے اس نے انسانوں کو چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ جو بولنا چاہے بولے، جو کرنا چاہے کرے، جتنا اس کا جی چاہے من موجی پن سے کام لے۔ اپنے ہم نشینوں سے جتنی داد و تحسین حاصل کرنی ہے کر لے جتنی مذہب بیزاری سے کام لینا ہے لے لے لیکن یاد رکھے کہ ادھر سانس کی ڈور ٹوٹی اور ادھر حساب و کتاب کا دور شروع ہوا۔ اعمال و افعال، اخلاق و کردار اور گفتار کی گرفت شروع ہوئی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ آپ نے خدا کو مانا یا نہیں۔ اس کی وحدانیت کا اعتراف و اقرار کیا یا نہیں، اس کی معرفت کی جستجو میں خود کو لگایا یا نہیں۔ اس کے بتائے راستے کو اپنایا یا نہیں، اس کے احکام کی پابندی کی یا نہیں۔ آخر کار اس مالک کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس کی بخشی نعمتوں کا حساب چکتا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کی سعادت کا ذریعہ خدا کی معرفت اس کی بندگی اور عبادت ہے۔ یہ تو دنیا کا عام اصول ہے کہ جس شخص کو جس کے پاس رہنا ہوتا ہے وہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے حکموں کی تعمیل کرتا ہے، اب غور کیجئے کہ انسان کس قدر خسارے میں ہے کہ جس رب کے پاس اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہے اس کی عبادت سے غافل ہے۔ اس کے حکموں کی تعمیل کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ اس کے فرمان کے خلاف چلتا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں انسان جس سے محبت کرتا ہے، جس کو اپنا دوست مانتا ہے وہ اس کا ذکر ہر وقت کرتا رہتا ہے۔ اور جب اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ اس کی خوبیاں بیان کرتا ہے تو وہ اس کے اور بھی قریب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ: ’’تجھے میرے ساتھ رہنا ہے لہٰذا میری دوستی کا سامان فراہم کر۔‘‘ کہنے کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا کہ میں تیرا سہارا ہوں۔ لہٰذا تیرا سروکار مجھ ہی سے ہے۔ ایک پل کے لیے بھی میرے ذکر سے غافل نہ رہ اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ دل پر ذکر تب غالب آتا ہے جب انسان ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا ہے۔ خوش دلی اور فراغت کے احساس کے ساتھ عبادت اسی وقت ہو پاتی ہے جب انسان اپنی خواہشوں سے رشتہ توڑ کر اپنے رب سے رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ البتہ یہ بات یہاں یاد رہے کہ خواہشوں سے رشتہ توڑنا آسان کام نہیں ہے۔ خواہشوں سے رشتہ تب ٹوٹتا ہے جب انسان گناہوں سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ جب انسان گناہوں سے تائب ہو جاتا ہے تو اس کے دل میں ایک سکون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ فراغت کا احساس تابندہ ہو جاتا ہے تب اس کے لیے ذکر و اذکار میں مصروف رہنا۔ اپنے رب کو یاد کرتے رہنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس میں اسے لطف آنے لگتا ہے۔ سچ پوچھیے تو محبت یا یوں کہیں کہ محبت الٰہی سعادت کی بیج ہے۔ اسی سے وہ پودا نکلتا ہے جو معرفت خداوندی کے احساس کو ایک تناور درخت بنا دیتا ہے۔ پھر یہ درخت اس کی روح کی زمین پر اس طرح ایستادہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی آندھی اسے اکھاڑ نہیں پاتی ہے۔ گویا بندۂ مومن اپنے رب کی محبت کا اسیر ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لیے دنیا ایک حقیر شے بن جاتی ہے۔ ایسی حقیر شے جس کی طرف توجہ کرنا بھی اسے گوارہ نہیں ہوتا ہے۔ ایسا اللہ کا نیک بندہ پھر کبھی گمراہی کا شکار نہیں ہوتا ہے اس لیے اللہ کی معرفت کے راستے میں خود کو لگانا دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے۔

اے ایمان والو، اللہ کے مددگار بنو!

عبدالحفیظ اسلامی

اللہ تعالی پر ایمان اور رسولؐ کی رسالت کا اقرار کرنے کا دعوی کرنے والے ہر شخص سے اللہ کا مطالبہ ہے کہ اللہ کے مددگار بنو یہ مدد کس طرح کی جائے اس کی مثال یوں کہ جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ جواب میں حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، اس طرح یہ بات بتلا دی گئی کہ دین کی اقامت میں اللہ کے نبی کی مدد کرنا اللہ کی مدد کرنا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی دعوت و پکار پر ان کے چاہنے والے، ان سے خالص محبت کرنے والے اور کسی طرح کا کھوٹ اپنے اندر نہ رکھنے والے حواریوں نے لبیک کہا اور بلا کسی جھجک، بغیر کسی ملاوٹ کے صاف و شفاف طریقہ سے حضرت مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا اور اللہ نے انہیں باطل پر غلبہ عطا فرمایا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو ایمان نہ لائے تھے انہیں ایمان لانے والوں کے ہاتھوں مغلوب کر دیا۔ مذکورہ آیت کریمہ سورہ صف کی آیت 14 کا ابتدائی حصہ ہے، جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بنو۔ اس پوری سورۃ الصّف میں جن باتوں کی طرف اشارات آئے ہیں اور جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غالباً جنگ احد کے متصل بعد نازل ہوئی ہے، ذرا ہم جنگ احد کے بعد کے حالات پر بھی سرسری نگاہ ڈالیں تا کہ اللہ کے لیے اٹھنے والی ہر تحریک معلوم ہو جائے کہ کن حالات سے قیام خیر و فلاح نیکیوں کو فروغ دینے برائیوں اور ظلم و ستم کو مٹانے اور اللہ کی مرضی کو اللہ کے بندوں اور اس کی زمین پر نافذ کرنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال قیادت میں برپا ہونے والی تحریک آزمائش سے دوچار تھی۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں حق و باطل کی معرکہ آرائیوں میں معرکہ احد بھی بہت مشہور ہے۔ اسلام کا پہلا اور کامیاب معرکہ جنگ بدر ہے۔ اس میں مشرکین مکہ کے کئی بڑے بڑے سردار مارے گئے، جس کا بدلہ لینے کیلئے مشرکین مکہ پوری تیاری کے ساتھ سن 3 ہجری کی ابتدا میں مسلمانوں سے انتقام کی آگ اپنے سینوں میں لے کر تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور نبی کریمؐ بھی اپنے ایک ہزار صحابہ کو لیکر احد کیلئے نکل پڑے جن میں ایک ظاہری ایمان رکھنے والا عبداللہ بن ابی بھی تھا، لیکن مقام احد تک پہنچنے کے دوران عذر کرتے ہوئے اپنے تین سو ہمنواؤں کو لیکر واپس ہو گیا۔

اب صرف (700) سات سو کی تعداد رہ گئی اور معرکہ احد گرم ہوا ابتدا میں اسلامی لشکر کو کامیابی حاصل ہوئی، لیکن اس موقع پر چند لوگوں سے ایک بڑی سہو ہو گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کا باعث تھی جس کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ایک طرح سے ہار میں بدل گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک غیبی نصرت مسلمانوں کو حاصل ہوئی کہ کفار مکہ اپنی جیتی ہوئی جنگ کو چھوڑ کر مکہ بھاگ گئے۔ اس طرح جنگ احد کے بعد مدینے میں عجیب حالات پیدا ہو گئے، ایک طرف سچے اہل ایمان تھے، دوسری جانب ظاہری مسلمان اور تیسری جانب ضعیف الایمان، لیکن جو قوی الایمان جماعت صحابہ کی تھی وہ تو ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ پر اپنی جان عزیز خدا کی محبت اور اس کے رسولؐ کی الفت میں لٹا دینے کو تیار رہا کرتی تھی۔ لیکن جن لوگوں کا ایمان ابھی کمزور تھا انہیں، اسلام سے بد دل کرنے کی کوششیں منافقین کی جانب سے کی جانے لگیں اور اس میں وہ کسی طرح کامیاب بھی ہوتے دیکھائی دے رہے تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نوراللہ مرقدہ نے اس سلسلہ میں یوں تحریر فرمایا۔ مسلمانوں میں جو لوگ کمزور ایمان والے تھے، وہ اس حادثہ سے بد دل ہو گئے اور ان کی اس بد دلی سے منافقین نے فائدہ اٹھا کر ان کے دلوں میں اسلام، اسلام کے مستقبل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مختلف قسم کے وسوسے بھرنے شروع کر دیئے۔ یہود کو بھی اس حادثہ سے بڑی شہ ملی وہ ازسر نو اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں سرگرم ہو گئے۔ قریش کو بدر کی شکست سے جو ضرب پہنچی تھی اس کا زخم گویا اس واقعہ سے مندمل ہو گیا اور وہ پھر یہ حوصلہ کرنے لگے کہ اسلام کو زک پہنچائی جا سکتی ہے۔ جنگ احد کے ان حالات کے بعد سورۃ الصّف میں اہل ایمان کے صالح اوصاف کی تعریف کی گئی اور عمومی طور پر ضعیف الایمان مسلمانوں کی تربیت کا سامان بھی کیا گیا اور پھر منافقین کے اعمال اور ان کے طرز عمل پر گرفت کی گئی۔ جنگ احد کے بعد کے چند حالات معلوم ہونے کے بعد ہم اب اصل بات کی طرف آتے ہیں، جو سورۃ الصّف کی آخری آیت کریمہ 14 میں بیان ہوئی ہے جو رہتی دنیا تک اہل ایمان کو تاکید کرتی ہے۔

اور پچھلی 13 آیات کریمہ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی کہ تکبیر رب، دعوتِ توحید، تبلیغ دین اور نور ہدایت کی شمع روشن کرتے ہوئے دنیا کو منور کرنے؛ حق کے علمبرداروں کو کن اوصاف کی ضرورت ہے، کس طرح کا اخلاص درکار ہے، خدا کی راہ میں جدوجہد کرنیوالے کیسے ہوتے ہیں وغیرہ۔ قرآن حکیم اس جانب متوجہ کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے سوال کیا کہ کون ہے اللہ کی طرف بلانے میں میرا مددگار؟ اس کے جواب میں حق سے محبت کرنے والے حواریوں نے فوری جواب دیا: ہم ہیں اللہ کے مددگار اس طرح نبی وقت عیسیٰ علیہ السلام کی قیادت اور ان کے دست و بازو بننے والے حواریوں انصار کار کنان کی اپنے نبی سے سچی محبت و الفت اور اپنے نصب العین اقامت دین سے سچی لگن نے انہیں وہ دن بھی دکھا دیئے کہ مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والے یہود پر "عیسائی" یعنی عیسیٰ پر ایمان لانے والے مسلمان غالب آ گئے۔ اب یہی مطالبہ محمدؐ کے ماننے والوں کے سامنے رکھا جا رہا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو! اللہ تعالی کسی کی نصرت کا محتاج نہیں ہے۔ بایں ہمہ اگر بندہ مومن اس کے دین کے غلبے کے لئے سعی کر رہا ہو اس کے دین کی سربلندی کے لئے جان اور مال کھپا رہا ہو۔ اس کے رسول کے مشن کی تکمیل کے لئے جسم و جان کی توانائیوں کو صرف کر رہا ہو، اپنے مال و اسباب اور وسائل و ذرائع کو اس راہ میں خرچ کر رہا ہو تو اللہ تبارک تعالی ایسے بندوں کی اس قدر قدردانی فرماتا ہے کہ ان کے سارے اعمال کو اپنی مدد سے تعبیر فرماتا ہے، بندہ مومن کیلئے اس سے بڑھ کر دنیا میں اونچا مقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنی مخلوق اہل ایمان کو اپنا مددگار کہتے ہوئے عزت سے نوازے۔

مختصر یہ کہ بندہ ہو کر معبود کا مددگار قرار پانا بہت بڑی سعادت ہے۔ اس طرح اللہ کی مدد کرنے کا مطلب اس کے دین کے غلبہ کیلئے اس کے رسول کی مدد ہے۔ اقامت دین اور اس کی جدوجہد کو اللہ تعالی اپنی اور اپنے رسول کی نصرت سے تعبیر فرمایا ہے۔ نبیؐ کی متبرک قیادت میں چلنے والی تحریک کے عظیم و مقدس کارکنان نے اپنے قول و فعل سے اس کا جواب یہی دیا نحن انصار اللہِ پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی اور جنگ احد کے پانچ سال بعد سن 8 ہجری میں مکہ فتح ہو گیا، اس طرح ملک عرب سے شرک کا خاتمہ ہو چکا اور توحید کا پرچم پوری آب و تاب کے ساتھ لہرانے لگا۔ ہر طرف امن و سکون کی کھیتیاں لہرا اٹھیں، آج بھی یہ یقین دہانی ہمارے لیے حوصلہ و ہمت کے لیے کافی ہے، اگر ہم اللہ تعالی کے دین کی اقامت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی حفاظت، سارے عالم میں امن و شانتی کا پیغام پہنچانے اور اللہ کے بندوں کو جہنم سے بچانے کیلئے کوششیں کریں تو پھر وہ دن دور نہیں کہ اللہ تعالی ہمیں بھی وہ نظارے، یدخلون فی دین اللہ افواجا ضرور کرائے گا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم نحن انصار اللہ کے معیار پر پورا اتریں۔ یہ کام پورے جذبہ، اخلاص وللٰہیت کا متقاضی ہے۔

اسلام میں پیڑ پودوں کی اہمیت اور ماحولیاتی مسائل کا حل

ندیم احمد انصاری

کائنات میں اللہ تعالی کی شانِ ربوبیت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ جہاں انسانوں اور دوسرے جان داروں کو اور بہت سی نعمتوں سے نوازا گیا ہے، وہیں اسے سازگار ماحول بھی عطا کیا گیا اور ایسی چیزیں پیدا کی گئیں جو کثافتوں کو جذب کر لیتی ہیں اور مختلف النوع آلودگیوں سے ماحول کو بچاتی ہیں۔ انسانی زندگی اور انسان کو مطلوب جان دار اور بے جان وسائل کی حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان ماحولیات کا تحفظ کرنے کا اہتمام کرے اور ایسی چیزوں سے بچے جو فضا، زمین، پانی وغیرہ میں آلودگی کا باعث بنتی ہیں۔ موجودہ تیز رفتار صنعتی ترقی سے پہلے جنگلات کی کثرت اور مظاہر قدرت سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کے باعث آلودگی کا مسئلہ اتنا اہم نہیں تھا، لیکن اب کارخانوں کی کثرت، صنعتی فضلات کی نکاسی کے مناسب انتظام سے غفلت، آبادی کا پھیلاؤ، آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کا بے دریغ استعمال، جنگلات کی بے تحاشہ کٹائی، دریاؤں میں فضلات کا بہاؤ، سواریوں اور مشینوں کا استعمال اور اس طرح کے مختلف اسباب کی وجہ سے ماحولیات میں عدم توازن پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ آلودگی بڑھ رہی ہے اور اس کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں اور مشکلیں جنم لے رہی ہیں۔ یہ وہ صورتِ حال ہے، جس نے پوری دنیا کو فکرمند کر رکھا ہے۔ کہیں گرمی کی شدت ہے تو کہیں باڑ آئی ہوئی ہے۔ آکسیجن کی قلت کا مسئلہ جو منھ کھولے ہمارے سامنے کھڑا ہے، وہ بھی اسی کی دین ہے۔ شریعتِ اسلامی انسانی زندگی کے تمام مسائل کا احاطہ کرتی ہے، اس سلسلے میں بھی اس نے ہماری رہنمائی کی ہے، جیسے پانی میں استنجا کرنے سے منع کیا گیا، شجر کاری کی ترغیب دی۔ یہاں تک کہ بلا وجہ درخت کاٹنے اور بلند آواز تک کو پسند نہیں کیا۔ جو چیزیں دھواں چھوڑنے والی ہوں، ان کو ضرورت پوری ہونے کے بعد بجھا دینے کی ہدایت دی گئی۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی تعلیمات ہیں، جو صراحتاً یا اشارتاً قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہیں اور ان کی بنیاد پر فقہا نے احکامات مستنبط کیے ہیں۔

اسلام کی نظر میں درخت لگانے اور کاشت کاری کی بڑی اہمیت ہے، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے اور جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالاں کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیت کے ذیل میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت زمین میں ہل چلانے اور اس میں فصل کاشت کرنے اور زمین میں درخت لگانے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ زراعت اور کھیتی باڑی پر ابھارنے کے لیے ہے اور طلبِ نسل سے مراد حیوانوں اور جان داروں کی نشو ونما اور ان کا بڑھنا ہے اور اسی سے انسان کی قوت و طاقت مکمل ہوتی ہے۔ حضرت جابر سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان نے کوئی پودا لگایا تو اس درخت سے جو کھایا گیا وہ اس کے لیے صدقہ ہے، جو اس سے چوری کیا گیا وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے، اور جو درندوں نے کھایا وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے اور کوئی اسے کم نہیں کرے گا، مگر وہ اس پودا لگانے والے کے لیے صدقے کا ثواب ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ ام مبشر انصاریہ کے پاس ان کے باغ میں تشریف لے گئے۔ رسولؐ نے ان سے فرمایا: یہ باغ مسلمان نے لگایا ہے یا کافر نے؟

انھوں نے کہا: مسلمانوں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان ایسا نہیں جو کوئی پودا لگائے یا کھیتی کاشت کرے اور اس سے انسان یا جانور یا کوئی بھی کھائے تو اس کے لیے صدقے کا ثواب ہوگا۔ حضرت جابر بن عبداللہ ہی کی ایک روایت میں اس طرح ہے: میں نے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ پودا لگانے والا اور کھیتی کرنے والا کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ اس سے درندے یا پرندے یا اور کوئی کھائے، مگر یہ کہ اس میں اس لگانے والے کے لیے ثواب ہوگا۔ ایک حدیث میں شجر کاری کی ترغیب دیتے آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص پودا لگائے گا اس کے لیے اس پودے سے نکلنے والے پھل کے بہ قدر ثواب لکھا جائیگا۔ اسی لیے علماء نے افضل ترین پیشے کے طور پر کاشت کاری کا ذکر کیا ہے۔ بلاضرورت جنگلات کو کاٹنے اور کھیتوں کو زیادہ پیسوں کے حصول کے لیے پلاٹس بنا کر آبادیوں کو بسانا، غیر اخلاقی و مکروہ فعل قرار دیا گیا ہے۔ عبداللہ بن حبشی سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: جو کسی بیری کے درخت کو کاٹے گا، اللہ تعالی جہنم میں اس کے سر کو اوندھا کر دے گا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے موقعوں پر بھی درختوں اور کھیتیوں کو برباد کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق نے شام کی طرف لشکر روانہ کرتے وقت تاکید کی تھی: دشمن کے کھجور کے باغات ہرگز نہ کاٹے اور نہ جلائے جائیں۔

دل کی پاکیزگی

مولانا ابوبکر حنفی

اللہ تعالی خالق حقیقی ہے اور اس کی صفتِ خالقیت کا مظہر اتم حضرتِ انسان ہے، جس کا وجود ہر زاویے، ہر پہلو اور ہر جہت سے کمالِ خلقت کی تصویر دکھائی دیتا ہے، چھوٹے سے انسانی وجود میں خالقِ احسن تقویم نے متنوع حقیقتوں کا ادراک کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھی ہے اور اس مقصد کے لیے مختلف اعضاء کی پیوند کاری فرمائی ہے، ہر عضوِ انسانی کے پس پردہ ایک ایسا حیرت انگیز نظام مستقل طور پر چل رہا ہے اور ایسا مکمل پینل کام کر رہا ہے جس کی بدولت وہ اعضاء الگ الگ نوعیت کے فوائد و نتائج مرتب کرتے ہیں، مثلاً انسان آنکھ سے دیکھتا، کان سے سنتا، ناک سے سونگتا، زبان سے چکھتا اور ہاتھ سے پکڑتا ہے، بنی آدم کے نحیف جسم کا حصہ بننے والے حواس ظاہرہ خمسہ میں یہ پانچ منفرد قوتیں، قوتِ باصرہ، قوتِ سامعہ، قوتِ شامعہ، قوتِ ذائقہ اور قوتِ لامسہ پیدا فرما کر باری تعالی نے انسان کو اپنے وجود سے کامل نفع اٹھانے کا موقع فراہم کیا ہے اور ان پانچ مختلف طریقوں سے اس کے لیے علم کے حصول کی راہ ہموار کی ہے، یہی وہ علمی شان ہے جس کے سبب انسان کو مخلوقات کی سرداری کا اعزاز بخشا گیا اور اسے اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔ خلاقِ عالم نے اپنی لاریب کتاب میں انسانی تخلیق کو اپنی قدرت کا شاہکار قرار دیا اور اس نعمت کا اظہار فرما کر انسان کو اپنے ذکر اور شکر کی طرف متوجہ کیا، ارشادِ باری تعالی ہے: کیا ہم نے اس (انسان) کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ (سورۃ البلد) دوسری جگہ ارشاد ہے: اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل عطاء کیے (سورۃ الاحقاف) قرآنی اسلوب سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان عظیم نعمتوں کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان ان اعضاء کا درست استعمال کر کے اللہ تعالی کا شکر عملاً بجالائے اور زبان سے حق تعالی کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و ثناء کے کلمات ادا کر کے قولاً بھی اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرے، ورنہ یہی اعضاء قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ بن جائیں گے اور یہ ایسی گواہی ہوگی جس کو انسان جھٹلا بھی نہیں سکے گا، ارشادِ باری تعالی ہے: یہاں تک کہ جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں، وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں اسی ذات نے بولنے کی طاقت دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی عطاء فرمائی ہے (سورۃ حم السجدہ) تمام تر اعضاءِ انسانی میں جس عضو کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور جس کا انسانی مصروفیات میں مرکزی کردار ہے وہ دل ہے، اس لیے کہ انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے، اس سے پہلے اس کا تصور اور خیال آتا ہے اور خیال کی جگہ دل ہے، پھر دوسرے درجے میں دماغ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تدبیر کرتا ہے اور اس کا آخری درجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعضاء و جوارح سے عمل کرتا ہے، ہمارے عرف میں اس کو یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ ’’دل جسم کا بادشاہ ہے‘‘۔ وجودِ بنی آدم میں قلبِ انسانی کی اسی مرکزیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا: سنو! بلاشبہ جسم میں ایک حصہ ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے اور اگر وہ خراب ہے تو سارا جسم خراب ہے، سنو! وہ دل ہے (متفق علیہ، بروایت حضرت نعمان بن بشیرؓ) انسان کے سینے میں موجود دل کتنا اہم عضو ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دل خانہ خدا یعنی خدا تعالی کا گھر ہے، اس میں قادرِ مطلق ذات بستی ہے، حدیثِ قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کا ارشاد نقل کرتے ہیں: میں آسمان اور زمین میں نہیں سما سکتا، البتہ مؤمن کے دل میں سما جاتا ہوں (سنن دارمی) اب اگر کوئی شخص دل کو شیطانی وساوس اور غلط خیالات سے آلودہ کرے گا تو اندازہ کیجیے! کہ وہ کتنی بڑی جسارت کر رہا ہے، ہم اپنے گھر کو کتنا صاف ستھرا رکھتے اور آلودگی سے بچاتے ہیں لیکن خدا کے گھر کو کس دیدہ دلیری سے ناپاک کر دیتے ہیں، یہ ہمارے لیے مقامِ عبرت ہے۔ قلب کی ناپاکی کے بہت سے اسباب ہیں، غیر محرم عورتوں کا خیال لانا، اپنے زعم میں خود کو بڑا تصور کرنا، خود پسندی میں مبتلا ہونا، کسی کو نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچنا اور عبادت میں ریاء کو دخل دینا وغیرہ سب امور ایسے ہیں جن سے دل پر گناہ کا زنگ لگ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ معرفتِ الٰہی کے عکس کو صحیح معنوں میں جذب نہیں کر پاتا، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے، مادیت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور عبادت میں جی نہیں لگتا ہے۔ جب دل کی ایسی حالت ہو جائے تو اس وقت فوراً اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے اور اس معاملے میں بالکل غفلت سے کام نہیں لینا چاہیے، اس سلسلہ میں دو کام کرنے چاہییں، ایک یہ کہ ’’لاحول ولا قوۃ الا باللہ‘‘ کا کثرت سے ورد کرے، کیونکہ یہ ایسے زبردست اور مؤثر کلمات ہیں جن کو سنتے ہی شیطان بھاگ جاتا ہے، یہ ضروری نہیں صرف برا خیال آنے پر یہ کلمات پڑھے بلکہ معمول کی زندگی میں بھی انہیں پڑھتا رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی: اے ابوہریرہ! ’’لاحول ولا قوۃ الا باللہ‘‘ کو زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے ہیں (متفق علیہ) دوسرا یہ کہ استغفار کا اہتمام کرے کیونکہ دل کی صفائی میں استغفار بہت زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے، ایک مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے، اسی طرح دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کی صفائی کی کیا صورت ہے؟ ارشاد فرمایا: استغفار (معارف الحدیث) اگر انسان مسلسل گناہوں میں مشغول رہے اور توبہ کا اہتمام نہ کرے تو اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کرے، باز آ جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے، اور اگر وہ (گناہ میں) بڑھتا چلا جائے تو وہ دھبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے (سنن ترمذی)